بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کرنسی کا لین دین

نوٹ کی نقد وادھار خرید و فروخت، زکوۃ وغیرہ کے شرعی احکام اور امام اہل سنت مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالیٰ کے مؤقف پر اعتراض کرنے والوں کے اعتراضات کے دلائل سے مزین مسکت جوابات۔

جامع المعقول المنقول علامہ مفتی فیض الرسول الرضوی

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدالانبیاء والمرسلین علی اٰلہ واصحابہ اجمعین۔امابعد

شیخ الحدیث ڈاکٹر مفتی ابوبکر صدیق عطاری دامت برکاتھم العالیہ کا تحریر فرمودہ ''کرنسی کا لین دین'' نامی رسالے کا بندہ نے بغور مطالعہ کیا ہے مفتی صاحب موصوف نے اپنے اس رسالے میں جدید تقاضوں کے عین مطابق کرنسی کے مسئلے پر ایسی نفیس ترین تحقیق اور بالخصوص فقہاء کرام رحمۃ اللہ تعالٰی علیھم کی مدت سے دو متعارضہ عبارتوں کا ایسا بہترین حل پیش فرمایا ہے کہ جس کا وجود دیگر کتب میں آج تک نہیں مل سکا نیز اپنے زعم میں فاسد میں مجتہد و محقق بننے والے مخالفین اعلٰی حضرت مجدد دین وملت رضی اللہ تعالٰی عنہ کا رد بلیغ فرما کر ان کی کم فہمی وہٹ دھرمی کی ایسی قلعی کھولی ہے جسے پڑھ کر مخالفین کو مجتہد و محقق سمجھنے والوں کی غلط فہمی دور ہو جاتی ہے اور اہل محبت کے دل باغ باغ ہو جاتے ہیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالٰی اپنے محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وسیلے سے مفتی صاحب موصوف کو درازی عمر بالخیر عطا فرما کر تا حیات مسلک امام اہل سنت رضی اللہ عنہ کا پاسبان بنائے رکھے اور ان کی فروزاں کی ہوئیں علم ہدایت کی شمعوں سے پوری دنیا کو جگمگا دے۔اٰمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہ وبارک وسلم۔

ابوالنعیم محمد فیض الرسول الرضوی

۱۸ اکتوبر ۲۰۰۲ھ

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے میں کہ کیا کرنسی نوٹ کو آپس میں کمی بیشی کے ساتھ بصورت ادھار اور نقد بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک العلام الوھاب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

سوال مذکور کے جواب سے پہلے چند باتوں کا جاننا ضروری ہے جو کہ درج ذیل ہیں

نوٹ کی فقہی حیثیت

نوٹ کی فقہی حیثیت کے بارے میں علماء ایک عرصہ تک متردد رہے۔اور اس تردد کی وجہ خود نوٹ کی بدلتی ہوئی حالت تھی کیونکہ نوٹ اپنی ابتدء کے لحاظ سے واقعی سونے کی رسید تھے اور انھیں بینک کے سپرد کر کے سونا بھی وصول کیا جاسکتا تھا۔مگر بعد میں حکومتوں نے اسے اپنی تحویل میں لے کر ایک مخصوص صورت دیدی اور باقی تمام بینکوں پر اس قسم کے نوٹوں کے چھاپنے پر پابندی لگادی۔پھر جب دنیا میں مختلف ممالک میں معاشی حالات تبدیل ہوئے تو حکومتوں نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ اپنی ضرورتیں پورا کرنے کے لئے زیادہ مقدار میں نوٹ جاری کئے جائیں چنانچہ عملا ایسا ہی ہوا۔رفتہ رفتہ ان نوٹوں کی تعداد بڑھتی رہی یہانتک کہ ان نوٹوں کی مقابلے میں سونے کی تعداد انتہائی کم ہوگئی۔چنانچہ حکومتوں کو خطرہ لاحق ہوا کہ اگر لوگوں نے ان نوٹوں کے بدلے میں سونے کا مطالبہ کیا تو وہ اس کو پورا کرنے میں ناکام نہ ہوجائیں اور بعض اوقات ایسا ہوا بھی کہ مرکزی بینک اس مطالبے کو پورا نہ کرسکی۔پس حکومت کی جانب سے نوٹ کی سونے سے تبدیلی کو روکنے کے لئے مختلف قسم کے اقدامات کئے گئے بالآخر نوٹ کی سونے سے تبدیلی کو حتمی طور پر منع کردیا گیا۔اب نوٹ کے بدلے میں صرف نوٹ تو مل سکتا ہے سونا چاندی نہیں کیونکہ ان نوٹوں کی پشت پر کوئی سونا چاندی نہیں ہوتا۔جیسا کہ جیوفری گراؤتھر لکھتا ہے۔

"The promise to pay, which appears on their face is now utterly meaningless. Not even in amounts of

pounds 1700 can notes now be converted into gold. The note is no more than a piece of paper, of no intrinsic value whatever and if it presented for redemption, the Bank of England could honour its promise to pay one Pound only by giving silver coins or another note but it is accepted as money throughout the British Island."

﴿An outline of Money Page. 16﴾

ترجمہ: ادائیگی کا وعدہ جو کہ نوٹوں پر لکھا ہوتا وہ اب بے معنی ہے۔ حتیٰ کہ اب سترہ سو پاؤنڈ کو بھی سونے میں تبدیل نہیں کروایا جا سکتا۔ نوٹ اب کاغذ کے ایک ٹکڑے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اب اس کی ذاتی حیثیت کچھ نہیں ہے اور اگر اس کو برطانیہ کی مرکزی بینک کو تبدیلی کے لئے پیش کیا جائے تو وہ اسے علامتی سکے دیگا یا اسی جیسا ایک دوسرا نوٹ مگر یہ نوٹ اب برطانیہ کے تمام جزائر میں بطور مال قبول کئے جاتے ہیں۔

مگر دیوبندی علماء نوٹ کی اس حیثیت کو ستر سال تک نہ سمجھ سکے اور اسے قرض کی رسید ہی سمجھتے رہے جبکہ علماء حقہ رحمھم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ثمن اصطلاحی تھا۔ چونکہ دیوبندیوں نے اسے قرض کی رسید قرار دیا تھا لہٰذا ان کے نزدیک اس نوٹ کو جاری کرنے والے (بینک) کی حیثیت مقروض کی سی تھی اور جس کے پاس نوٹ تھے وہ دائن کی حیثیت رکھتا تھا۔ چنانچہ ان لوگوں کی رائے کے مطابق نوٹ کے بدلے میں اشیاء کی بیع وشراء میں نوٹ کا ادا کیا جانا حوالہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ یعنی نوٹ کی ادائیگی کرنے والا قیمت کا حوالہ بینک پر کر دیتا تھا۔ چنانچہ ان حضرات کے نزدیک نوٹ پر حوالہ کے احکامات لاگو تھے۔ اسی لئے ان کے نزدیک نوٹ کے ذریعے سے کئے جانے والے تمام عقود ادھار ہوا کرتے تھے اسی لئے ان کے نزدیک نوٹ کے ذریعے سے سونے چاندی کی خرید فروخت ناجائز تھی۔ کیونکہ نوٹ کے ذریعے سے سونا چاندی کی بیع کرنا حقیقتاً اس سونے چاندی سے بیع کرنا تھی جس کی رسید یہ نوٹ تھے۔ چنانچہ یہ بیع صرف تھی اور بیع صرف میں یہ ضروری ہے کہ بدلین پر اسی مجلس میں قبضہ ہو مگر ان کے نزدیک نوٹ کے ذریعے سے سونا چاندی کی بیع میں یہ شرط مفقود تھی۔ اسی طرح ان لوگوں کے نزدیک نوٹ کی موجودگی میں زکوٰۃ کی ادائیگی بھی واجب نہ تھی

اگرچہ لاکھوں روپوں ہی کے نوٹ کیوں نہ موجود ہوں۔اسی طرح اگر کوئی نوٹ کے ذریعے سے زکوۃ کی ادائیگی کرتا تھا اس وقت تک اسکی زکوۃ ادا نہ ہوتی جب تک کہ فقیر ان نوٹوں کے بدلے میں کوئی چیز نہ خرید لیتا۔اور اگر فقیر کے استعمال سے پہلے یہ نوٹ گم ہوجاتے یا برباد ہوجاتے تو بھی اس کی زکوۃ ادا نہ ہوتی۔دیوبندی حضرات کے نزدیک مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی دیوبندیوں کے نزدیک تمام علوم دینیہ میں منصبِ امامت پر فائز تھے۔نیز فقہ میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی متبحر عالم اور صاحب بحرالرائق کے مدمقابل وفقیہ النفس تھے۔(انہوں نے یہ سب دعویٰ فتاویٰ رشیدیہ کے دیباچے میں تحریر کئے ہیں) گنگوہی صاحب موصوف سے نوٹ کے بارے میں حکم شرع پوچھا گیا' اس نے درج ذیل جوابات دیے۔

ا:......''نوٹ وثیقہ (Written Agreement) اس روپے کا ہے جو خزانہ حاکم میں داخل کیا گیا ہے مثل تمسک (Receipt) کے اس واسطے کہ اگر نوٹ میں نقصان آجائے تو سرکار سے بدلا سکتے ہیں اور اگر گم ہوجائے تو بشرطِ ثبوت اس کا بدل لے سکتے ہیں (حالانکہ اگر آپ کے ۱۰۰ روپے بھی گم ہوجائیں تو اسٹیٹ بینک کسی صورت آپ کو اس کا بدل نہیں دے گا) اگر نوٹ مبیع ہوتا تو ہرگز مبادلہ نہیں ہوسکتا تھا۔دنیا میں کوئی مبیع بھی ایسا ہے کہ بعد قبض مشتری کے نقصان یا فناء ہوجائے تو بائع سے بدل لے سکیں۔پس اس تقریر سے آپ کو واضح ہوجائے گا کہ نوٹ مثل فلوس (پیسوں) کے نہیں ہے فلوس مبیع ہے اور نوٹ نقدین۔ان میں زکوٰۃ نہیں۔''

﴿فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب ص ۳۵۷﴾

۲:......نوٹ کی خرید وفروخت برابر قیمت پر بھی درست نہیں مگر اس میں حیلہ حوالہ ہوسکتا ہے اور بحیلہ عقد حوالہ کے جائز ہے مگر کم زیادہ پر بیع کرنا ربوا اور ناجائز ہے۔

﴿فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب ص ۴۱۸﴾

۳:......روپیہ بھیجنے کی آسان ترکیب نوٹ کی رجسٹری یا بیمہ کرادینا ہے۔

﴿فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم ص ۱۷۲﴾

اور علماء حقہ رحمھم اللہ تعالیٰ کی رائے میں نوٹ ثمن اصطلاحی ہیں ان کے نزدیک نوٹ کے ذریعے سے ثمن خلقی یعنی سونا چاندی کی بیع بلاشبہ جائز ہے۔اس پر زکوۃ واجب ہوتی ہے اور نوٹ کی ادائیگی سے زکوۃ ادا بھی ہوجاتی ہے۔جس وقت عرب وعجم کے علماء نوٹ کے شرعی حکم کے متعلق حیران تھے۔جب مفتیان عظام سے اس کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو کوئی تسلی بخش جواب نہ بن پڑتا تھا حتی کہ مکہ مکرمہ (زادھا اللہ شرفا وتعظیما) کے مفتی احناف

جمال بن عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا شرعی حکم کماحقہ بیان کرنے سے اپنا عذر ”العلم امانۃ فی اعناق العلماء(علم علماء کی گردنوں پر امانت ہے) کہہ کر پیش کر دیا تھا۔ایسے میں جب ۱۳۲۳ھ میں امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن دوسری مرتبہ حج بیت اللہ تعالیٰ کے لئے مکہ شریف حاضر ہوئے تو وہاں کے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ نے موقع غنیمت جان کر آپ علیہ رحمۃ الرحمٰن کی خدمت میں نوٹ سے متعلق بارہ ۱۲ سوال بطور استفتاء پیش کر دیے۔جب امام اہلسنت علیہ رحمۃ الرحمٰن نے اس موضوع پر قلم اٹھایا تو اپنی عادت کریمہ کے مطابق علم کے دریا بہادیے جب آپ علیہ رحمۃ الرحمٰن کا جواب عالم اسلام کے علماء کے سامنے آیا تو سب حضرات آپ علیہ رحمۃ الرحمٰن کی تحقیق پر عش عش کر اٹھے اور اس تحقیق کو عالم اسلام کے لئے احسان عظیم قرار دیا۔امام اہلسنت علیہ رحمۃ الرحمٰن نے جس حقیقت کو نور بصیرت سے آج سے تقریباً ستر سال پہلے جان لیا اسی بات کو آج جدید اکنامکس بھی تسلیم کر رہی ہے۔امام اہل سنت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اگر اس زمانے میں نوٹ کو ثمن اصطلاحی قرار دیا تھا تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ کسی ماہر معاشیات (Economist) یا کسی انسائیکلوپیڈیا میں اس کی حقیقت کو بیان کر دیا تھا یا کسی فقہی کتاب میں اس کا حکم موجود تھا بلکہ اپنی خداداد فقہی صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے قواعد فقہیہ کی رو سے نوٹ کو ثمن اصطلاحی فرمایا تھا۔آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

> ”اے سوال کرنے والے﴿اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو توفیق عطا فرمائے اور ہماری رہنمائی فرمائے﴾ یہ جان لو کہ نوٹ نہایت جدید اور نئی چیز (New Invention) ہے تمہیں علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی کتب میں اس کا ذکر بھی نہیں ملے گا یہاں تک کہ ماضی قریب کے فقیہ علامہ(The Religious Lawyer Of Islam)ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم عصر علماء کی کتب بھی نوٹ کے ذکر سے خالی ہیں مگر اللہ تعالیٰ ہمارے ان ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محنت قبول فرما کر ہمیں ان کی برکتوں سے فیضیاب فرمائے جنہوں نے اس دین اسلام کے مسائل کافی تفصیل سے بیان فرما دیئے ہیں اور اب یہ شریعت اس قدر روشن ہو چکی ہے کہ اس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے۔الحمد للہ علماء کرام نے ایسے قواعد (Rules) ترتیب دیئے ہیں جن کے ذریعے سے بے شمار مختلف نوعیّتوں کے مسائل کے شرعی احکام معلوم

کیئے جا سکتے ہیں اگر چہ نئی ایجادات کا سلسلہ جاری رہے گا مگر ان کے شرعی احکام ان احکامات کے دائرہ سے باہر نہ نکلیں گے جو ہمیں ائمہ کرام سے حاصل ہوئے اور اگر اللہ نے چاہا تو ہر دور میں ایسے علماء موجود ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ کتاب و سنت اور ائمہ کے بنائے ہوئے قواعد (Rules) سے نئی پیدا شدہ چیزوں کے شرعی احکامات نکالنے (Extradiction) کی توفیق عطا فرمائے گا۔''

﴿فتاویٰ رضویہ جلد ۷ صفحہ ۱۲۷ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

پھر فقہیانہ انداز میں نوٹ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

''کرنسی نوٹ کی حقیقت تو یہ ہے کہ یہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے اور کاغذ ایک قیمت والا مال (Valuable Property) ہے اور اس پر مہر لگنے کی وجہ سے لوگ اس کی طرف مائل ہوگئے اور اسے وقت ضرورت کے لئے جمع کر کے رکھنے لگے اور مال (Property) کی تعریف (Defination) بھی یہی ہے کہ لوگ اس کی طرف مائل ہوں اور اسے وقت ضرورت کے لئے جمع کر کے رکھنا ممکن ہو۔ جیسا کہ فقہ کی معتبر کتب بحرالرائق اور فتاوی شامی وغیرہما میں ہے نیز یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ شریعت مطہرہ نے جس طرح مسلمانوں کو شراب اور خنزیر سے نفع اٹھانے سے منع کیا ہے اس طرح سے کاغذ کے ٹکڑوں سے اپنی مرضی کے مطابق نفع اٹھانے سے منع نہیں کیا اور کسی چیز کے قیمت والا مال (Valuabel Property) ہونے کا دارومدار اسی بات پر ہے کہ شریعت مطہرہ نے اس سے نفع اٹھانے سے منع نہ کیا ہو جیسا کہ فتاویٰ شامی میں ہے۔ اسی فتاویٰ شامی میں اصول فقہ کی معتبر کتاب تلویح کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''مال وہ چیز ہے جسے وقت حاجت کے لئے جمع کیا جائے اور مال (Property) کے لئے اس کا قیمت والا (Valuable) ہونا ضروری ہے اور اسی فتاویٰ شامی میں بحرالرائق اور الحاوی القدسی کے حوالے سے منقول ہے'' کہ آدمی کے علاوہ ہر وہ چیز مال کہلاتی ہے جسے آدمی کے فائدے کے لئے پیدا کیا گیا ہو اور اسے حفاظت سے رکھا جانا ممکن ہو اور آدمی اسے اپنی مرضی سے استعمال کر سکے۔ محقق علی الاطلاق علامہ ابن الھمام ''فتح القدیر'' میں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اپنے کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار روپے میں بیچے تو یہ بیع بلا کراہت جائز ہے اور اگر تحقیقی نظر سے دیکھا جائے تو بذات خود یہی قول کرنسی نوٹ کی اصل ہے جسے امام ابن ھمام رضی اللہ عنہ نے نوٹ ایجاد ہونے سے ۵۰۰ سال پہلے ہی پیش فرما دیا تھا اور نوٹ بھی تو

کاغذ کا وہی ٹکڑا ہے جو ہزار روپے میں بکتا ہے اور یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ایسی کرامات تو ہمارے علماء کرام رحمہم اللہ سے صادر ہوتی ہی رہتی ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا اور آخرت میں ان کی برکات سے فیضیاب فرمائے۔ آمین

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ نوٹ بذات خود ایک قیمت والا مال (Valueable Property) ہے اس کی خرید وفروخت ہوتی ہے اور اسے ہبہ (Donate) کیا جاتا ہے اور نوٹ میں وراثت (Inheritanes) بھی جاری ہوتی ہے نیز مال کے تمام احکامات بھی اس پر جاری ہوتے ہیں۔''

﴿فتاویٰ رضویہ جلد۷ صفحہ۱۲۸۔۱۲۹ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

پھران لوگوں کی غلطی دلائل شرعیہ سے واضح فرمائی جو نوٹ کو رسید سمجھتے تھے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ رقم طراز ہیں،

''میں کہتا ہوں کہ یہ گمان بالکل غلط ہے کہ نوٹ تحریری اقرار نامہ (Written Agreement) کی طرح کوئی رسید (Recipte) ہے رسید کا مطلب یہ ہے کہ جو گورنمنٹ اسے رائج کرتی ہے نوٹ لینے والوں سے (سونا یا چاندی) کے روپے قرض لیتی ہے اور انہیں ثبوت کے طور پر قرض کی مالیت کے نوٹ دے دیتی ہے اور جب وہ لوگ گورنمنٹ کو نوٹ واپس کردیں تو گورنمنٹ انکا قرض واپس ادا کر دیتی ہے اور اگر یہ لوگ عوام میں سے کسی کو یہ نوٹ دے دیں تو گورنمنٹ ان دوسروں سے قرض لے کر ان پہلے لوگوں کا قرض ادا کر دیتی ہے تو وہ لوگ ان دوسروں کو بطور ثبوت یہ نوٹ دے دیتے ہیں تا کہ وہ ان نوٹوں کے ذریعے سے مقروض گورنمنٹ سے اپنا قرض وصول کرسکیں۔ اسی طرح سے قرض جتنے لوگوں کے ہاتھوں میں جائے گا قرض اور رسید کا تکرار (Repetition) ہوتا رہے گا نوٹ کے رسید ہونے کے تو یہی معنی ہیں۔

حالانکہ ایک سمجھدار بچہ بھی یہ بات جانتا ہے کہ جو لوگ نوٹ کا لین دین کرتے ہیں ان میں سے کسی کے دل میں ان باتوں کا خیال تک نہیں آتا اور نہ ہی کبھی اس لین دین سے قرض یا تحریری اقرارنامہ (Written Agreement) کا ارادہ کرتے ہیں نیز آپ نے کسی بھی ایسے شخص کو نہیں دیکھا ہوگا جو لوگوں کو قرض دیتا ہو اور اپنے قرض کے رجسٹر میں اس شخص کا نام لکھے جس نے نوٹ دیکر اس سے چاندی کے روپے وصول کئے ہوں اور اپنی زندگی بھر میں اس سے یہ کہا ہو کہ تم میرا قرض ادا کر کے اپنی رسید مجھ سے وصول کرلو اور نہ ہی کسی ایسے شخص کو دیکھا

ہو گا جو لوگوں کا مقروض ہو اور اپنے رجسٹر میں اس شخص کا نام لکھتا ہو جسے نوٹ دیکر اس نے (چاندی کے) روپے وصول کئے ہوں اور مرتے وقت کہتا ہو کہ فلاں کا مجھ پر اتنا قرض ہے اسے ادا کر کے میری رسید (Recipte) اس سے واپس لے لینا۔

اور وہ ظالم و بے باک لوگ جو اعلانیہ سود کھاتے ہیں اور قرض وصول ہونے تک سود کی ماہوار شرح مقرر کئے بغیر کسی کو ایک روپیہ بھی قرض نہیں دیتے وہ لوگ بھی نوٹ لے کر چاندی کا روپیہ دیتے ہیں اور اس پر ایک پیسہ بھی زائد نہیں مانگتے نہ مہینے کے بعد اور نہ ہی سال کے بعد۔ اگر وہ اسے قرض سمجھتے تو زائد رقم وصول کرنا ہر گز نہ چھوڑتے۔

پس حق یہ ہے کہ سب لوگ نوٹ سے لین دین اور خرید و فروخت ہی کا قصد کرتے ہیں نوٹ دینے والا یقیناً جانتا ہے کہ میں روپے لے کر نوٹ اپنی ملک (Ownership) سے خارج کر چکا ہوں اور نوٹ لینے والا یقیناً جانتا ہے کہ میں روپے دیکر نوٹ کا مالک (Owner) ہو گیا اور وہ شخص نوٹ کو روپوں، اشرفیوں اور پیسوں کی طرح اپنا مال اور پونجی (Wealth) سمجھتا ہے اور اسے جمع کر کے رکھتا ہے اور ہبہ (Gift) کرتا ہے اور اس کے بارے میں وصیت (Will) کرتا ہے اور اسے صدقہ کرتا ہے اور لوگ اسے خرید و فروخت ہی سمجھتے ہیں اور تجارت ہی کا قصد کرتے ہیں۔

اور یہ ایک طے شدہ اصول ہے کہ لوگوں کے معاملات میں ان کی نیتوں کا اعتبار ہوتا ہے۔ کیونکہ اعمال کا دارو مدار نیتوں ہی پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی وہ نیت کرے لہٰذا ثابت ہوا کہ لوگوں کے نزدیک نوٹ ایک قیمت والا مال (Valuable Property) ہے اسے حفاظت سے رکھا اور جمع کیا جاتا ہے اور لوگ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں اس کی خرید و فروخت ہوتی ہے اور اس پر قیمت والے مال (Valuable Property) کے تمام احکام نافذ ہوتے ہیں۔''

﴿فتاویٰ رضویہ جلد ۷ صفحہ ۱۲۹۔۱۳۰ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

مختلف ممالک کی کرنسی مختلف اجناس ہیں

جب یہ بات واضح ہو چکی کہ نوٹ رسید نہیں بلکہ ثمن اصطلاحی ہے تو اب یہ جاننا چاہیے کہ دور حاضر میں کرنسی باوجود یہ کہ اپنی اصل کے اعتبار سے کاغذ کا ٹکڑہ ہے مگر ہر ملک کی کرنسی کے مقصود کے مختلف ہونے کی وجہ سے علیحدہ علیحدہ جنس ہے کیونکہ کرنسی سے مقصود کاغذ کا ٹکڑا نہیں ہوتا بلکہ اس سے مراد قوت خرید کا ایک مخصوص معیار ہے۔ یہی

وجہ ہے جو چیز پاکستانی ایک روپیہ کے بدلے میں ایک ملتی ہے وہی چیز ایک امریکن ڈالر کے بدلے میں ساٹھ کی تعداد میں خریدی جاسکتی اور ایک برطانوی پونڈ کے بدلے میں سو تک مل سکتی ہے۔اسی طرح مختلف ممالک کی کرنسی کے اعتبار سے مختلف تعداد مل میں سکتی ہے اور یہ تعداد قوت خرید کی تبدیلی کے ساتھ تبدیل بھی ہو جاتی ہے۔عموما ہر ملک کی کرنسی کے نقوش اور نام بھی مختلف ہوتے ہیں نیز یہ کہ ان کے مقاصد بھی مختلف ہوتے ہیں مثلا لوگ امریکن ڈالر یا پونڈ کو اس لئے سنبھال کر محفوظ رکھتے ہیں کہ ان کی قیمت بڑھ جانے پر فروخت کیا جائے گا۔جبکہ پاکستانی اور دیگر ممالک کہ جن کی کرنسی غیر مستحکم ہے ان کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہے۔اسی طرح مختلف ممالک کی کرنسی مختلف مقاصد کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔قوانین فقہیہ کی رو سے جب کسی چیز کے مقصود یا اصل یا صنعت میں ایسی تبدیلی آجائے کہ جس کی وجہ سے اس کا نام اور کام بدل جائے تو جنس بدل جاتی ہے۔علامہ شامی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں

”أن الاختلاف باختلاف الأصل أوالمقصودأو بتبدل الصفة۔“

﴿ردالمحتار جلد ۷ صفحہ ۴۰۶ مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ ملتان﴾

ترجمہ: جنس میں اختلاف اصل یا مقصود یا صفت کے بدلنے سے ہوتا ہے۔

صدرالشریعہ بدرالطریقہ مولانا امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں

”مقصد یہ ہے کہ جنس کے اختلاف و اتحاد میں اصل کا اتحاد و اختلاف معتبر نہیں ہے مقصود کا اختلاف جنس کو مختلف کر دیتا ہے اگرچہ اصل ایک ہو اور یہ بات ظاہر ہے کہ روئی اور سوت اور کپڑے کے مقاصد مختلف ہیں یونہی گیہوں اور اس کے آٹے کو روٹی سے بیع کر سکتے ہیں کہ انکی بھی جنس مختلف ہے۔

﴿بہار شریعت صفحہ ۹۸ حصہ ۱۱ جلد ۲ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور﴾

چنانچہ کسی بھی دو اشیاء کی اصلیت اگرچہ ایک ہی کیوں نہ ہو اگر ان کے مقصود یا صفت میں تبدیلی ہو جائے تو ان کی جنسیں مختلف ہو جائیں گی۔جیسا کہ صدرالشریعہ کی عبارت سے ظاہر کہ روٹی کی بیع گندم کے ساتھ ادھار اور کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے حالانکہ ان کی اصل ایک ہے صرف صنعت میں تبدیلی ہونے کی وجہ سے ان کے نام اور کام میں تبدیلی پیدا ہو گئی چنانچہ ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ جنس شمار کیا گیا۔امام سراج الدین عمر ابن نجیم الحنفی رحمہ

اللہ تعالی فرماتے ہیں

”یصح ایضا بیع الخبز بالبر وبالدقیق متفاضلا)فی اصح الروایتین عن الامام قیل ھو ظاھر المذھب لعلمائنا الثلاثۃ وعلیہ الفتوی عدداووزناکیف مااصطلحواعلیہ لانہ صار بالصنعۃ جنسا آخر۔“

﴿النھر الفائق جلد ۳ صفحہ ۴۸۷ مطبوعہ:قدیمی کتب خانہ کراچی﴾

ترجمہ:امام اعظم سے دوروایتوں میں سے اصح روایت کے مطابق روٹی کی بیع گندم اورآٹے کے ساتھ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہےلوگوں میں جس طرح رائج ہوخواہ ازروئے عدد بیع کی جائے یاازروئے وزن اورکہا گیاہے کہ ہمارے علماء ثلاثہ کا یہی ظاہر مذھب ہے اوراسی پرفتوی ہے کیونکہ روٹی صنعت کی تبدیلی کی وجہ مختلف جنس ہوگئی۔

اسی طرح اگرکوئی دواشیاء کہ جن کی اصل ایک ہومگران کےمقصود میں تبدیلی آجائے تو مختلف جنس شمار کی جاتی ہیں مثلاد نبے کا گوشت اورچکتی اور پیٹ کی چربی امام سراج الدین عمرابن نجیم الحنفی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں

”صح ایضا بیع (شحم البطن بالالیۃ)مخففۃ(اوباللحم) متفاضلالانھاوان کانت کلھامن الضان الاانھااجناس مختلفۃ لاختلاف الاسماء والمقاصد۔“

﴿النھر الفائق جلد ۳ صفحہ ۴۸۷ مطبوعہ:قدیمی کتب خانہ کراچی﴾

ترجمہ: پیٹ کی چربی کوچکتی کی چربی اور گوشت کے بدلے میں کمی بیشی کے ساتھ بیچنا بھی جائز ہے کیونکہ یہ سب اشیاء اگرچہ دنبے ہی سے ہیں مگر نام اورمقصود کےمختلف ہونے کی وجہ سےمختلف جنس ہیں۔

چنانچہ اسی طرح ہرملک کی کرنسی کی اصل تو کاغذ ہی ہے مگران کے نام،صفت اورمقاصد کےتبدیل ہونے کی وجہ سےمختلف اجناس ہیں۔پھراگرمختلف ممالک کی کرنسی کومختلف اجناس نہ مانا جائے بلکہ ان کی اصل کاغذ پرنظر کرتے ہوئے ایک ہی جنس مانا جائےتو مختلف معاملات میں ایسا حرج شدید لازم آئے گا کہ جس کاعلاج نہ عوام کے پاس

ہے اور نہ ہی علماء کے پاس ہے حتی کہ اکثر ممالک کے لوگوں کو حج جیسے عظیم فریضے سے محروم ہونا پڑیگا۔ کیونکہ اکثر ممالک میں ایسا ہوتا ہے کہ ان کی حکومتیں اس بات پر مجبور کرتی ہیں کہ حج کے جانے کے لئے بینک ڈرافٹ امریکن ڈالرز کی صورت میں بنوائے جائیں اور اس میں عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ اس کام کے لئے ایجنٹ ہوتے ہیں جو لوگوں سے اپنے ہی ملک کی کاغذی کرنسی نقد لیتے ہیں اور کچھ مدت کی ادائیگی کی تاریخ پر اس کے مساوی امریکن ڈالرز کا ڈرافٹ بنادیتے ہیں جو کہ سعودی عربیہ میں کیش ہوتا ہے حالانکہ تمام ممالک کی کرنسیز کو کاغذ ہونے کی وجہ ایک ہی جنس گردانے کی وجہ یہ سراسر سودی معاملہ ہے۔ کیونکہ جس ملک کی کرنسی کے بدلے میں امریکن ڈالر کا ڈرافٹ بنا کر دیا جاتا ہے وہ بھی کاغذ ہے اور امریکن ڈالر بھی کاغذ ہے اور اصول شریعت کے مطابق ان میں ادھار کرنا سراسر سود ہے۔ یہ ایسا المیہ ہے کہ اس سے نہ تو عوام بچتے ہیں اور نہ ہی ہزاروں کی تعداد میں ہر سال سفر حج کرنے والے علماء الا ماشاء اللہ تعالی۔ بلکہ دیکھا گیا ہے کہ اکثر اہل علم کی تو اس طرف توجہ بھی نہیں ہے۔ اسی طرح کتابوں کی خریداری میں عوام ہوں یا علماء اگر انھیں ادھار خریدنے کی ضرورت پیش آجائے تو بلا کسی تردد کے ادھار سودا کرلیا جاتا ہے اسی طرح کے دیگر کئی معاملات ہیں جن میں صرف اس لئے سودی معاملہ جاری ہوجاتا ہے کہ تمام ممالک کی کرنسیز (Currencies) ایک ہی جنس ہیں۔ چنانچہ ہر ملک کی کرنسی کو اس کے کاغذ ہونے کی وجہ سے ایک ہی جنس گردانے میں کھلا ہوا حرج ہے جبکہ شریعت کا قاعدہ ہے کہ **الحرج مدفوع بالنص** امت کے لئے آسانی اسی میں ہے کہ ہر ملک کی کرنسی کو الگ جنس شمار کرنے ہی پر فتوی دیا جائے اور اس کی درست وجوھات بھی بیان کردی گئی ہیں اسی کا ہمیں رسول کریم صلی اللہ تعالی نے بھی حکم فرمایا ہے کہ **بشروا و لا تنفروا** یعنی لوگوں کو خوش خبریاں دو متنفر نہ کرو اور فرمایا کہ **الدین یسر** دین آسانی کا نام ہے۔

دو متعارض عبارات میں تطبیق

اس توجیہہ سے کتب فقہیہ کی بظاہر دو متعارض عبارات میں بھی تطبیق ہوجائے گی۔ ایک تو "**یجوز بیع الفلس بفلسین بأعیانهما**" یعنی ایک فلس کا دو فلس سے تبادلہ جائز ہے جبکہ وہ متعین ہوں اور دوسری عبارت "**(باع فلوسا بمثلها أو بدراهم أو بدنانیر، فان فقد أحدهما جاز) وان تفرقا بلا قبض أحدهما لم یجز**" یعنی اگر کسی فلوس کو فلوس کے عوض یا درھموں یا دیناروں کے عوض بیچا پس ان میں سے

کسی ایک پر قبضہ ہوگیا تو جائز ہے اور اگر جانبین میں سے کسی پر بھی قبضہ نہ ہوا تو جائز نہیں ہے۔ ثانی الذکر عبارت محیط سے بحر ونھر اور ان سے متن تنویر، در، طحطاوی میں ہے اور سید احمد طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ھندیہ اور ھندیہ نے الحاوی کے حوالے سے بھی بیان فرمایا ہے۔ اس عبارت کا ظاہری مفاد یہی ہے کہ ثمن اصطلاحی مثلاً نوٹ یا سکوں کی آپس میں بیع کی جائے اور جانبین میں سے کسی ایک پر قبضہ کرلیا جائے تو بیع درست ہے یعنی ایک جانب سے ادھار بھی درست ہے جبکہ پہلی عبارت اس بات کی صراحت کررہی ہے کہ ان کا معین کرنا ضروری ہے دیگر الفاظ میں انکو ادھار بیچنا جائز نہیں ہے۔ بڑے بڑے فقہاء احناف رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس عبارت کو جوں کا توں نقل فرمایا اور سوائے علامہ شامی اور سید احمد طحطاوی رحمھم اللہ تعالیٰ کے کسی نے اس پر کوئی کلام نہیں فرمایا مگر ان دونوں بزرگوں نے ان عبارات کا تعارض تو بیان فرمایا مگر کوئی حل پیش نہیں فرمایا۔ اب اگر ہر ملک کی کرنسی کو الگ جنس شمار کیا جائے تو پہلی عبارت کو ایک ہی ملک کی کرنسی کی آپس میں بیع محمول کرنے اور دوسری عبارت کو دو مختلف ممالک کی کرنسی پر محمول کرنے سے یہ تعارض رفع ہوجائے گا اور دونوں کی قسم کی عبارات میں بآسانی تطبیق ہوجائے گی۔ جب یہ بات واضح ہوچکی کہ ہر ملک کی کرنسی ایک علیحدہ جنس ہے تو اب کرنسی کی آپس میں بیع وشراء کا حکم بیان کیا جاتا ہے۔

کرنسی کا کرنسی سے تبادلہ

دورحاضر میں رائج نوٹ فلوس (سکوں) کے حکم میں ہیں۔ قوانین شرعیہ کی رو سے ایک ہی ملک کے سکوں کی بیع آپس میں کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے البتہ ادھار ناجائز ہے۔ مبسوط، ہدایہ، کنزالدقائق، فتح القدیر، عنایہ، کفایہ، البحرالرائق، النھر الفائق، الدرالمختار، طحطاوی علی الدر، ردالمحتار میں ہے واللفظ للھدایہ

"یجوز بیع الفلس بفلسین بأعیانھما۔"

﴿ہدایہ اٰخرین صفحہ ۸۱ مطبوعہ: مکتبہ شرکت علمیہ ملتان﴾

ترجمہ: ایک متعین سکے کی بیع دو متعین سکوں کے ساتھ جائز ہے۔

مذکورہ بالا عبارت میں "متعین" کی قید اس لئے لگائی ہے کہ ہر ملک کی کرنسی ایک علیحدہ جنس ہے جیسا کہ درج بالا سطور میں وضاحت کی جاچکی ہے اور جب سود کی دو علتوں جنس اور قدر میں سے کوئی ایک علت پائی تو کمی بیشی حلال اور ادھار ناجائز ہوتا ہے۔ شیخ الاسلام برھان الدین امام ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ تعالی

فرماتے ہیں،

”اذا وجد احدهما وعدم الا ٰخر حل التفاضل وحرم النسأ مثل ان يسلم هرويافی هروی أو حنطة فی شعير۔“

﴿ہدایہ اٰخرین صفحہ۷۹ مطبوعہ: مکتبہ شرکت علمیہ ملتان﴾

ترجمہ: اگر سود کی دونوں علتوں میں سے کوئی ایک پائی جائے اور دوسری نہ پائی جائے تو زیادتی (کمی بیشی) جائز ہے اور ادھار حرام ہے جیسے کہ ہرات کے بنے ہوئے کپڑے کو ہرات ہی کے کپڑے کے عوض بیچے یا گندم کو جو کے بدلے میں۔

چنانچہ جب ایک ہی ملک کے نوٹوں کا آپس میں تبادلہ کیا جائے گا تو قدر کے مفقود ہونے کی وجہ سے کمی بیشی جائز اور جنس کے پائے جانے کی وجہ سے ادھار ناجائز ہوگا مثلاً دس روپے کے نوٹ کو بیس روپے یا اس سے کم یا زائد میں ہاتھوں ہاتھ بیچنا جائز ہوگا۔ اور اگر دو مختلف مما لک کی کرنسیز کا آپس میں تبادلہ کیا جائے تو کمی بیشی بھی جائز ہے اور ادھار بھی جائز ہے صرف ایک جانب سے قبضہ کافی ہے۔ امام علاؤالدین الحصکفی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں

(باع فلوسابمثلهاأوبدراهم أوبدنانير،فان فقدأحدهماجاز)وان تفرقابلاقبض أحدهمالم يجز۔“

﴿الدرالمختار صفحہ۴۱۴ جلد۷ مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ ملتان﴾

ترجمہ: اگر کسی نے فلوس کو فلوس کے عوض یا درھموں یا دیناروں کے عوض بیچا پس ان میں سے کسی ایک پر قبضہ ہوگیا تو جائز ہے اور اگر جانبین میں سے کسی پر بھی قبضہ نہ ہوا تو جائز نہیں ہے۔

کیونکہ نوٹ عددی ہیں اور عددی میں کمی بیشی جائز ہے کماقالوا اذا تناالحنفیه رحمهم الله تعالی ربسافی معدودات لعنی شمار کرکے بیچی جانے والی اشیاء میں سود نہیں ہوتا نیز ان کی جنسیں مختلف ہونے کی وجہ سے ادھار بھی جائز ہے جیسا کہ صاحب ھدایہ رحمہ اللہ تعالی مزید فرماتے ہیں

واذاعدم الوصفان الجنس والمعنى المضموم اليه حل

التفاضل والنساء۔

﴿ہدایہ اٰخرین صفحہ۷۹ مطبوعہ: مکتبہ شرکت علمیہ ملتان﴾

ترجمہ: اور جب سود کی دونوں ہی علتیں یعنی جنس اور قدر نہ پائیں جائیں تو کمی بیشی اور ادھار حلال ہے۔

دیوبندی فقہ کی کرشمہ سازیاں

جیسا کہ پچھلے صفحات میں بیان کیا گیا کہ دیوبندی اسی نظریہ کے قائل تھے کہ نوٹ قرض کی رسید ہے اور ''کفل الفقیہ الفاہم'' کا آفتاب روشن ہونے کے باوجود حق کو قبول نہ کیا۔تقریباً ستر سال اسی ہٹ دھرمی پر قائم رہتے ہوئے نوٹ پر زکوٰۃ کی ادائیگی سے منہ موڑتے رہے۔مگر جب دیکھا کہ اب امام احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالی کی تحقیق مانے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے تو چار و نا چار اسے قبول کرلیا۔مگر چاہیے تو یہ تھا کہ اسے ایسے ہی قبول کیا جاتا جیسا کہ فقہ حنفی کے مطابق امام اہلسنت نے رقم فرمایا اور اس پر دلائل بیان فرمائے مگر ایسا نہ ہوا بلکہ اپنی فقاہت بے بنیاد کے جوہر دکھاتے ہوئے ایسے اجتہادات اختراع کئے کہ جن کا فقہ حنفی میں کہیں دور دور تک پتہ نہیں چلتا۔مثلاً مولوی تقی عثمانی نے نوٹ کی شرعی حیثیت پر ایک مضمون لکھا جس میں دیوبندیوں کے سر خیل علماء کی غلط فقہ کو چھپانے اور خفت مٹانے کے لئے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ دیوبندیوں میں بعض ایسے بھی تھے کہ جو نوٹ کو شروع ہی سے ثمن اصطلاحی مانتے تھے اور ان میں مولانا عبدالحئی رحمہ اللہ تعالی کا ذکر کر دیا اور یہ تأثر دینے کی کوشش کی کہ وہ بھی دیوبندی تھے حالانکہ حقیقت اسکے برعکس ہے۔کیونکہ مولانا عبدالحئی کا دیوبندیوں سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔اور اُن غلط کار مفتیوں کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا کہ جو نوٹ کو رسید قرار دیتے تھے۔جب کہ امام اہلسنت علیہ الرحمۃ کہ جن کے نوٹ سے متعلق فتوٰی کو علماء عرب وعجم نے نا صرف قدر کی نگاہ سے دیکھا بلکہ اس پر تصدیقات بھی ثبت فرمائیں ، کے تذکرے کو انتہائی صفائی کے ساتھ نظر انداز کر دیا۔حالانکہ احسان شناس لوگوں کا کام ہے کہ وہ اپنے محسن کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اللہ تعالی مؤمنوں کے بارے میں فرماتا ہے کہ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔ مولوی تقی عثمانی کے اجتہاد کی ایک جھلک مندرجہ ذیل عبارات سے ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔مولوی تقی عثمانی نے ایک ہی ملک کی کرنسی کے آپس میں تبادلے کے حکم کو بیان کرتے ہوئے لکھا کہ

''موجودہ زمانے میں کاغذی کرنسی کا تبادلہ مساوات اور برابری کے ساتھ کرنا جائز ہے کمی زیادتی کے ساتھ جائز نہیں ہے۔''

﴿فقہی مقالات جلد ا صفحہ ۳۶ میمن اسلامک پبلشرز﴾

اور اسکے ناجائز ہونے کی وجہ یہ بتائی کہ اگر اس کو جائز کہا جائے تو سود خوروں کے سود کا دروازہ چوپٹ کھل جائے گا۔ عثمانی صاحب کی عبارت درج ذیل ہے۔

''لہٰذا میری رائے میں موجودہ دور کی علامتی کرنسی نوٹ کے تبادلے کے مسئلے میں امام مالک یا امام محمد کا قول اختیار کرنا مناسب ہے۔ اس لئے کہ امام شافعی یا امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہم کا مسلک اختیار کرنے سے سود کا دروازہ چوپٹ کھل جائے گا اور ہر سودی کاروبار اور لین دین کو اس مسئلہ کی آڑ بنا کر جائز کر دیا جائے گا چنانچہ اگر قرض دینے والا اپنے قرض کے بدلے سود لینا چاہے گا تو وہ اس طرح سے بآسانی لے سکے گا کہ قرض دار کو اپنے کرنسی نوٹ زیادہ قیمت میں فروخت کرے گا۔ اس طرح وہ اپنے قرض کے بدلے سود حاصل کرے گا۔''

﴿فقہی مقالات جلد ا صفحہ ۳۵ :میمن اسلامک پبلشرز﴾

مولوی صاحب نے مندرجہ بالا دونوں عبارات میں سے پہلی عبارت میں کہا ہے کہ اگر ایک ہی ملک کی کرنسی ہو تو اس کو کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز نہیں اور دوسری عبارت میں اس کے ناجائز ہونے کی خود ساختہ علت بیان کر دی موصوف نے احناف کے دو مسلمہ فقہی اصول لا ربا فی المعدودات یعنی شمار کر کے فروخت کی جانے والی اشیاء میں (کمی وزیادتی کی وجہ سے) سود نہیں ہوتا اور ''اذا وجد احدھما وعدم الاٰخر حل التفاضل وحرم النسا یعنی جب سود کی دو علتوں میں سے کوئی ایک نہ پائی جائے تو کمی بیشی جائز اور ادھار نا جائز ہے، کو چھوڑ دیا کیونکہ جب ایک ہی ملک کی کرنسی کے تبادلے میں سود کی دو علتوں میں سے ایک علت یعنی قدر مفقود اور دوسری علت جنس موجود ہے تو کمی بیشی جائز اور ادھار نا جائز ہوگا۔ لہذا یہ کہنا کہ ''چنانچہ اگر قرض دینے والا اپنے قرض کے بدلے سود لینا چاہے گا تو وہ اس طرح سے بآسانی لے سکے گا کہ قرض دار کو اپنے کرنسی نوٹ زیادہ قیمت میں فروخت کرے گا۔ اس طرح وہ اپنے قرض کے بدلے سود حاصل کرے

گا'' سراسر غلط ہے کیونکہ ایک جنس ہونے کی وجہ سے ادھار تو ناجائز ہی رہے گا۔ جبکہ صاحب مذہب امام الائمہ، سراج الامہ، کشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رضی اللہ تعالی عنہما اس کے جواز کے قائل ہیں جیسا کہ ہم نے مبسوط ، ہدایہ، کنزالدقائق، فتح القدیر، عنایہ، کفایہ، البحرالرائق، النھر الفائق، الدرالمختار، طحطاوی علی الدر اور ردالمحتار کے حوالے سے نقل کیا کہ ''یجوز بیع الفلس بفلسین بأعیانھما۔'' ایک متعین سکے کی بیع دو متعین سکوں کے ساتھ جائز ہے۔ نیز اس پر امت مسلمہ کا عرف وتعامل بھی ہے مثلاً جب عیدین یا کسی تہوار کے موقع پر نئے نوٹ لینا چاہتے ہیں تو بلا جھجک پرانے نوٹ زیادہ مقدار میں دے کر نئے نوٹ لے لیتے ہیں۔ لہذا مسلمانوں کے عرف کو چھوڑ کر اپنے طور پر فتویٰ صادر کر دینا کسی فقیہ کا کام تو نہیں ہو سکتا۔ بلکہ مفتی کے لئے تو یہ حکم ہے کہ جب اس کے سامنے دو مفتیٰ بہ قول ہوں تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس قول پر فتویٰ دے جو راجح ہو اور راجح ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ وہ دیکھے کہ ان میں سے جو قول اہل زمانہ کے عرف کے مطابق ہو یا اس میں لوگوں کے لئے آسانی ہو تو اسی پر فتویٰ دے نہ کہ دوسرے پر۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں

''ماإذا كان احدهما اوفق لاهل الزمان فان ما كان اوفق لعرفهم اواسهل عليهم فهواولى بالاعتماد عليه ولذاافتوابقول الامامين فى مسئلة تزكية الشهودوعدم القضاء بظاهرالعدالة لتغيراحوال الزمان فان الامام كان فى القرن الذى شهد له رسول الله ﷺ بالخيرية بخلاف عصرهم فانه قدفشى فيه الكذب فلابدفيه من التزكية وكذاعدلواعن قول ائمتناالثلاثة فى عدم جواز الاستيجار على التعليم ونحوه لتغيرالزمان ووجودالضرورة الى القول بجوازه۔''

﴿رسائل ابن عابدین شامی جلد۱ صفحہ۴۰ مطبوعہ: سہیل اکیڈمی لاہور﴾

ترجمہ: ترجیح کی وجوہات میں سے یہ بھی ہے جب ان میں کوئی قول اہل زمانہ کے موافق ہو کیونکہ جو اہل زمانہ کے عرف کے موافق ہو یا ان کیلئے آسان ہو وہی اولیٰ ہے اور اسی پر

اعتماد ہے۔اسی لئے فقہاء نے اختلاف زمانہ کی وجہ سے گواہوں کے تزکیہ اور ظاہری عدالت پر فیصلہ نہ کرنے پر صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا۔کیونکہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ اس زمانے میں تھے کہ جس کی اچھائی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے گواہی دی تھی بخلاف صاحبین کے زمانہ کے کہ اس میں جھوٹ پھیل چکا تھا تو اس میں تزکیہ ضروری تھا اسی طرح ائمہ ثلاثہ کے تعلیم قرآن پر اجارہ کے عدم جواز کے قول اور اسی کے مثل دیگر مسائل میں علماء نے تغیر زمانہ اور ضرورت کے پائے جانے کی وجہ سے اعراض کیا۔

بلکہ خاص درھم دینار جو کہ اموال ربویہ ہیں کے مسئلہ میں علماء نے لوگوں کو سود سے بچانے کے لئے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ دیا۔علامہ شامی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

”علی هذا فلوتعارف الناس بيع الدراهم بالدراهم او استقراضها بالعددكمافی زماننالايكون مخالفاللنص فالله تعالى يجزىء الامام ابايوسف عن اهل هذالزمان خيرالجزاء فقد سدعنهم بابا عظيمامن الرباوقد صرح بتخريج هذاعلى هذه الرواية العلامة سعدى افندى فی حاشيته على العناية ونقلهاعنه من النهرواقره وكذلك نقله فی الدرالمختاروقال وفی الكافی الفتویٰ علی عادة الناس انتہی۔ وذكر نحوه فی آخر الطريقة المحمدية للعارف البركلی فقال ولاحيلة فيه الاالتمسك بالرواية الضعيفة عن ابی يوسف۔

﴿رسائل ابن عابدین شامی جلد۲ صفحہ۱۱۸۔۱۱۹ مطبوعہ:سہیل اکیڈمی لاہور۔﴾

اس روایت کے مطابق اگر لوگوں میں درہم کی درہم سے خرید و فروخت اور قرض لینا عدد کے ساتھ متعارف ہو جائے جیسا کہ ہمارے زمانے میں ہے تو یہ نص کے مخالف نہیں۔اللہ تعالیٰ اس زمانے والوں کی طرف سے امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کو بہترین جزاء عطا فرمائے کہ انہوں نے ان لوگوں سے سود کا ایک بہت بڑا دروازہ بند کر دیا اس (بیع کے جواز) کی تخریج اس

روایت پر ہونے کی تصریح علامہ سعدی آفندی علیہ الرحمہ نے عنایہ پر اپنے حاشیہ میں فرمائی اور انہی سے النھر الفائق میں نقل کیا اور اسے برقرار رکھا۔ اسی طرح اسکو درمختار میں نقل کیا اور فرمایا،''کافی میں ہے، فتوی لوگوں کی عادت پر ہے۔''اھ اور اسی کی مثل عارف برکلی علیہ الرحمہ نے طریقہ محمدیہ کے آخر میں ذکر کیا اور فرمایا،''اس بیع کے جواز میں کوئی حیلہ نہیں سوائے اس ضعیف روایت سے دلیل پکڑنے کے جو امام ابو یوسف سے منقول کی گئی۔''اھ

ائمہ مذہب اور فقہاء محققین کے نزدیک تو عرف کے مطابق فتویٰ دینے سے سود کا باب بند ہوتا ہے مگر دیو بندی فقہ میں اسکے برعکس یہ دروازہ چوپٹ کھل جاتا ہے۔اسی لئے فقہاء فرماتے ہیں من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل۔ جو اپنے زمانے والوں کو نہ جانے وہ جاہل ہے۔

پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ یہاں تو امام اعظم اور سیدنا ابو یوسف رحمہما اللہ تعالی کے قول کو چھوڑ کر کمی وزیادتی کو ناجائز کہہ دیا مگر ایک مقام پر خواہ مخواہ امام اعظم کے بارے میں منسوب کر دیا کہ ان کے نزدیک جب ایک ہی ملک کے سکوں کی بیع آپس میں کی جائے اور بدلین میں سے کسی ایک پر بھی قبضہ نہ ہو تو سود ہو جاتا ہے یعنی ایک جانب سے قبضہ کافی ہے۔مولوی صاحب نے لکھا

''ایک ہی ملک کے کرنسی نوٹوں کا تبادلہ برابر سرابر کر کے بالاتفاق جائز ہے۔ بشرطیکہ مجلس عقد میں فریقین میں سے کوئی ایک بدلین میں سے ایک پر قبضہ کرلے۔لہذا اگر تبادلہ کرنے والے دو شخصوں میں سے کسی ایک نے بھی مجلس عقد میں نوٹوں پر قبضہ نہیں کیا۔حتیٰ کہ وہ دونوں جدا ہو گئے تو اس صورت میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ اور بعض مالکیہ کہ نزدیک یہ عقد فاسد ہو جائے گا۔''

﴿فقہی مقالات جلد ۱ صفحہ ۳۶ مطبوعہ: میمن اسلامک پبلشرز﴾

حالانکہ امام اعظم سے ایسی کوئی روایت نہیں ہے کہ جس میں ایک ہی جنس کے سکوں کے تبادلے میں صرف ایک جانب قبضہ کی شرط بیان کی ہو۔ بلکہ اس کے برعکس کتب مذہب میں یہ تصریح ہے کہ جنس ایک ہونے کی صورت میں بدلین کی تعیین ضروری ہے اور وہ فلوس میں قبضہ ہی سے ہوسکتی ہے اس لئے نوٹوں کا بھی یہی حکم ہوگا کہ جب

وہ ایک ہی جنس کے ہوں تو ان پر قبضہ ضروری ہے۔ ملک العلماء کاسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک ہی جنس کے سکوں کے تبادلے کی صورت میں ایک ہی جانب کے قبضہ کی نفی اور جانبین کے قبضے کی اثبات کی بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں

وذكرفی بعض شروح مختصر الطحاوی رحمه الله انه يبطل لالكونه صرفابل لتمكن رباالنساء فيه لوجود احد وصفی علة رباالفضل وهوالجنس وهوالصحيح۔"

﴿بدائع الصنائع جلد ۵ صفحہ۲۳۸﴾

ترجمہ: مختصر امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کسی شرح میں ذکر کیا گیا ہے کہ (جانبین میں سے کسی ایک جانب قبضہ نہ ہونے کی صورت میں) اس کا بطلان اس لئے نہیں ہے کہ یہ بیع صرف ہے بلکہ اس کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں سود کی دو علتوں میں سے جنس کے پائے جانے کی وجہ سے ادھار ناجائز ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔

پھر ایک مقام پر سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کے بارے میں خواہ مخواہ منسوب کر دیا کہ ان کے نزدیک ایک سکے کی دو سکے کے ساتھ بیع برابر اور ہم مثل ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ درج ذیل عبارت میں ہے۔

"اور امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رحمھم اللہ کے نزدیک ایک فلس کا دو فلسوں سے تبادلہ اس لئے ناجائز تھا کہ وہ سکے آپس میں بالکل برابر اور ہم مثل تھے۔"

﴿فقہی مقالات جلد ا صفحہ ۳۹ مطبوعہ: میمن اسلامک پبلشرز﴾

حالانکہ امام اعظم کا صحیح مذہب وہ جسے فقہاء کرام نے اپنی کتب میں درج فرمایا اور اس کے مطابق امام اعظم کے نزدیک اگر عددی اشیاء برابر اور ہم مثل بھی ہو تو بھی ہاتھوں ہاتھ ان کا تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے جیسا کہ ایک انڈے کی بیع دو انڈوں کے ساتھ۔ صاحب فتح القدیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

"محمد عن يعقوب عن ابی حنيفة فی بيع بيضة ببيضتين وجوزة بجوزتين وفلس بفلسين وتمرة بتمرتين يدابيداجاز

اذاکان بعینه ولیس کلاهما ولاأحدهمادینا۔"

﴿فتح القدیر جلد۶ صفحہ۱۶۲المطبوعہ: مکتبہ الرشیدیہ کوئٹہ﴾

ترجمہ: سیدنا امام محمد یعقوب (امام ابو یوسف) سے اور وہ امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک انڈے کی دو انڈوں سے اور ایک اخروٹ کی دو اخروٹ سے اور ایک سکے کی دوسکوں سے اور ایک کھجور کی دو کھجوروں سے ہاتھوں ہاتھ بیع جائز ہے جبکہ جانبین متعین ہوں یعنی ان میں سے کوئی ایک یا دونوں ادھار نہ ہو۔

بلکہ خود مولوی صاحب نے اسی مضمون میں پیچھے دو مقامات پر امام اعظم کا صحیح مذہب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کے نزدیک ایک سکے کی بیع دوسکوں سے جائز ہے وہ عبارات درج ذیل ہیں۔

"لیکن امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ یہ فرماتے ہیں چونکہ یہ سکے خلقی ثمن نہیں ہیں بلکہ اصطلاحی اثمان ہیں اس لئے متعاقدین کو اختیار ہے کہ وہ اپنے درمیان اس اصطلاح کو ختم کرتے ہوئے ان سکوں کی تعیین کے ذریعے ان کی ثمنیت کو باطل کر دیں۔ اس صورت میں یہ سکے عروض اور سامان کے حکم میں ہوجائیں گے، لہذا ان میں کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ جائز ہوگا۔"

﴿فقہی مقالات جلد۱ صفحہ۳۳ :میمن اسلامک پبلشرز﴾

دوسری عبارت ایک صفحہ بعد لکھی کہ

"جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک بھی اگر متعاقدین ان سکوں کو متعین کر دیں تو متعین کرنے سے ان کی ثمنیت باطل ہو کر وہ عروض اور سامان کے حکم میں ہوجائیں گے۔ اس صورت میں ایک فلس کا تبادلہ دو فلسوں کے ساتھ جائز ہے۔"

﴿فقہی مقالات جلد۱ صفحہ۳۴ میمن اسلامک پبلشرز﴾

پھر ستم بالائے ستم یہ کہ ایک مقام پر اپنا ایک اختراعی قاعدہ بیان کر کے کسی دوسرے مقام پر خود ہی اس کے خلاف لکھ دیا۔ مثلاً ایک مقام پر لکھا

''پھر یہ برابری کرنسی نوٹوں کی تعداد اور گنتی کے لحاظ سے نہ دیکھی جائے گی بلکہ ان نوٹوں کی ظاہری قیمت کے اعتبار سے دیکھی جائے گی۔''

﴿فقہی مقالات جلدا صفحہ ۳۷ میمن اسلامک پبلشرز﴾

مگر اس سے آگے اسی کتاب کے صفحہ ۵۶ پر بالکل اس کے برعکس اسکارد لکھ دیا

''شریعت میں جو تماثل اور برابری معتبر ہے وہ مقدار میں برابری ہے، اموال ربویہ میں قیمت کے تفاوت کا بالکل اعتبار نہیں ہے۔''

اب ان سے پوچھا جائے کہ کیا تم نے اپنے مضمون میں جگہ جگہ اس بات کی صراحت نہیں کی کہ تمھارے نزدیک نوٹ اموال ربویہ میں سے ہے۔ اگر تمھاری وہ بات درست ہے تو پھر ان دو عبارتوں میں سے پہلی عبارت میں کیوں کہا کہ نوٹ میں اس کی ظاہری قیمت کا اعتبار ہے۔

الغرض یہ کہ موصوف کی کوئی بات قابل اعتبار نہیں ہے۔ اللہ تعالی امت مسلمہ کو اس قسم کے اجتہادات سے بچائے۔

حیرت انگیز مماثلت

فقیر نے اس مضمون کے لکھنے کے سلسلے میں مختلف لوگوں کی آراء سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے مختلف کتب کا مطالعہ کیا تو اس بات پر حیران رہ گیا کہ مولوی تقی عثمانی اور ایک دوسرے مولوی صاحب کہ جنھیں ان کے دارالعلوم میں بڑا محقق سمجھا جاتا ہے، کی تحقیق میں حیرت انگیز مماثلت ہے۔ دونوں حضرات کے مضامین میں اتنی زیادہ یکسانیت ہے کہ سوائے چند عنوانات (Headings) کے از اول تا آخر کہیں بھی فرق محسوس نہیں ہوا یا بس زیادہ سے زیادہ چھاپے کا فرق ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دونوں مضامین ایک ہی ذہن کی پیداوار ہیں۔ بہر حال ہم نے جو غلطیاں اور تضادات مولوی تقی عثمانی صاحب کے مضمون میں بیان کی ہیں وہ تمام جوں کی توں دوسرے مولوی صاحب کے مضمون میں بھی پائی جاتی ہے۔

نوٹ وزنی اور مکیلی نہیں ہے

ہاں البتہ ان مولوی صاحب کے مضمون کے اخیر میں نوٹ کو وزنی ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور ضرور لگایا گیا ہے۔ اور اسی مقام پر مولوی تقی عثمانی اور انکی کی تحریر میں واضح فرق محسوس ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے

پہلے مفاہمانہ انداز تھااور اب جارحانہ اور مناظرانہ ہے۔شاید یہاں سے خود مولوی صاحب کی تحریر ہے۔بہر حال لکھتے ہیں

”نوٹ کے بدلے نوٹ کی زیادتی کے ساتھ بیع پر یہ دلیل دی جاتی ہے کہ نوٹ عددی چیز ہے اوراموال ربویہ میں سے نہیں ہے اور عددی چیز میں احناف کے نزدیک زیادتی کے ساتھ بیع جائز ہے، جیسے ایک انڈے کے بدلے میں دوانڈوں کی بیع جائز ہے، اسی طرح دس کے ایک نوٹ کی دس کے دونوٹوں کے بدلے میں بیع جائز ہے۔

یہ دلیل اپنے تمام مقدمات کے ساتھ باطل ہےاولاتو یہ مفروضہ غلط ہے کہ نوٹ عددی چیز ہےاوراموال ربویہ میں سے نہیں حقیقت میں نوٹ وزنی چیز ہےاوراموال ربویہ میں سے ہے، کیونکہ نوٹ کی اصل کاغذ ہےاور کاغذ وزنی چیز ہے۔کاغذ جتنے گرام کا ہوتا ہےاس کی قیمت اسی حساب سے مقرر کی جاتی ہے ۔ہم نے آج ۱۹ جنوری ۱۹۸۹ء کو کراچی پیپر مارکیٹ سے آفسٹ پیپر مارکیٹ کے نرخ معلوم کیے جن کی قیمت ان کے وزن کے اعتبار سے حسب ذیل ہے،

۲۰ ۳۰	۴۵ گرام	۲۵۰ روپیہ رم
۲۷ ۳۴	۵۵ گرام	۴۳۰ روپیہ رم
۲۰ ۲۶	۵۶ گرام	۳۴۵ روپیہ رم
۲۰ ۳۰	۵۶ گرام	۲۹۰ روپیہ رم
۲۳ ۳۶	۵۶ گرام	۳۹۶ روپیہ رم
۲۷ ۳۴	۵۶ گرام	۴۳۵ روپیہ رم

ان تمام صورتوں میں کاغذ کی تعداد ایک رم ہے لیکن قیمتوں میں اختلاف رم کی کمی بیشی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ سائز اور وزن کے اختلاف کے اعتبار سے قیمتوں میں اختلاف ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ کاغذ کی خرید وفروخت پیمائش اور وزن کے اعتبار سے ہوتی ہےاور فقہاء احناف کے نزدیک انہی چیزوں میں سود کا اعتبار کیا جاتا ہے جن کی خرید وفروخت پیمائش اور وزن کے

اعتبار سے ہوتی ہے اس لئے یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ کاغذ اموال ربویہ میں سے نہیں ہے بلکہ کاغذ حقیقت میں اموال ربویہ میں سے ہی ہے۔اور کاغذ کو اموال ربویہ میں سے شمار نہ کرنا محض لاعلمی ہے۔''

مذکورہ بالا عبارت پر کلام کرنے سے پہلے ہم اپنے قارئین پر یہ بات واضح کردیں کہ اگرچہ مولوی صاحب نے یہاں کسی کا نام نہیں لیا مگر ان کی یہ عبارت امام اہل سنت مجدددین وملت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دلائل کے رد میں ہے۔کیونکہ امام اہل سنت نے فتاویٰ رضویہ میں متعدد مقامات پر نوٹ کو اموال غیر ربویہ میں شمار فرمایا اور کمی بیشی کے ساتھ اس کی بیع کے جواز کی صراحت کی ہے۔آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

''نوٹ دراصل تول والی چیز نہیں ہے کیونکہ کاغذ کے پرچے عرف میں کبھی نہیں تولے جاتے لہٰذا پیمانہ (Measure) کاغذ کو شامل نہ ہوا جیسے غلہ سے ایک مٹھی (Hand Ful) اور سونے سے ایک ذرہ کو پیمانہ شامل نہیں ہوتا لہٰذا ہمارا یہ مسئلہ ہر حال میں مخالفت سے محفوظ ہے۔''

﴿فتاویٰ رضویہ جلد۷ صفحہ۱۵۷ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

ایک دوسرے مقام پر رقم طراز ہیں،

''نوٹ نہ تول کی چیز ہے نہ ناپ کی تو واجب ہوا کہ بیشی اور ادھار دونوں جائز ہوں تو ظاہر ہوا کہ نوٹ سرے سے مال ربا ہے ہی نہیں۔''

﴿فتاویٰ رضویہ جلد۷ صفحہ۱۵۷ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

امام اہل سنت کی عبارات سے واضح ہوگیا کہ مولوی صاحب نے یہ عبارت امام اہل سنت ہی کے دلائل کے رد میں لکھی ہے۔مگر فقیر کو مولوی صاحب کی عبارت میں کئی وجوہ سے کلام ہے جو کہ درج ذیل سطور میں پیش کیا جاتا ہے۔

فقہ حنفی کی مخالفت

اولا: مولوی صاحب نے لکھا کہ ''یہ دلیل اپنے تمام مقدمات کے ساتھ باطل ہے''۔میرے نزدیک

مولوی صاحب کا یہ جملہ حقیقت کے برعکس ہے۔ کیونکہ یہ دلیل دو مقدمات اور ایک نتیجہ پر مبنی ہے۔ پہلا مقدمہ تو یہ کہ ''نوٹ عددی شیء ہے'' دوسرا مقدمہ یہ کہ ''عددی اشیاء میں ربوا جاری نہیں ہوتا'' چنانچہ نتیجہ یہی نکلے گا کہ ''نوٹ میں ربوا جاری نہ ہوگا''۔ بالفرض اگر مولوی صاحب کی بات درست بھی مان لی جائے تو بھی اس دلیل کا صرف پہلا مقدمہ یعنی ''نوٹ عددی شیء ہے'' باطل ہوگا نہ کہ دوسرا بھی کیونکہ دوسرا مقدمہ ''عددی اشیاء میں ربوا جاری نہیں ہوتا'' تو احناف کے مسلمہ اصولوں میں سے ہے۔ لہذا مولوی صاحب کا اپنی بات کو درست ثابت کرنے کے لئے احناف کے مسلمہ اصول کو یہ کہہ کر غلط قرار دینا کہ یہ دلیل اپنے تمام مقدمات کے ساتھ باطل ہے، انتہائی لغو ہے۔ اور حنفی فقہ کی صریح مخالفت ہے۔

نوٹ عرفاً عددی ہیں

ثانیاً: مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ ''اولاً تو یہ مفروضہ غلط ہے کہ نوٹ عددی چیز ہے اور اموال ربویہ میں سے نہیں حقیقت میں نوٹ وزنی چیز ہے اور اموال ربویہ میں سے ہے'' درست نہیں بلکہ یہ ان کی کتب فقہیہ سے ناواقفی کی دلیل ہے۔ کیونکہ کسی چیز کے مفروضہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کے لئے کوئی معتبر بنیاد نہ ہو۔ حالانکہ امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ نے نوٹ کو جب عددی اشیاء میں شمار فرمایا تو گذشتہ ساٹھ ستر سال سے کسی نے بھی نوٹ کے عددی ہونے کا انکار نہیں کیا حتی کہ علماء حرمین طیبین نے بھی اس کو بلا چون و چراہ قبول کیا اور وہ کیوں نہ قبول کرتے کہ امام اہل سنت نے نوٹ کے عددی ہونے پر عرف مسلمین کو دلیل بنایا۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

> ''نوٹ دراصل تول والی چیز نہیں ہے کیونکہ کاغذ کے پرچے عرف میں کبھی نہیں تولے جاتے لہٰذا پیمانہ (Measure) کاغذ کو شامل نہ ہوا''

﴿فتاویٰ رضویہ جلد ۷ صفحہ ۱۵۷ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

اور نوٹ کے عددی ہونے کا عرف صرف امام اہل سنت کے زمانے تک ہی محدود نہ تھا بلکہ آج بھی فقیر کی معلومات کے مطابق دنیا میں کہیں بھی نوٹ وزن یا کیل کے مطابق نہیں بکتا۔ لہذا مولوی صاحب کا یہ لکھنا کہ نوٹ دراصل وزنی چیز ہے سراسر حقیقت کے خلاف اور عرف سے ناواقفی کی دلیل ہے۔

فقہی مسائل سے ناواقفیت

ثالثاً: مولوی صاحب کا نوٹ کو وزنی ثابت کرنے کے لئے یہ لکھنا کہ ''حقیقت میں نوٹ وزنی چیز ہے اور اموال ربویہ میں سے ہے، کیونکہ نوٹ کی اصل کاغذ ہے اور کاغذ وزنی چیز ہے۔'' مولوی صاحب کی فقہی مسائل سے ناواقفی کی دلیل ہے۔ کیونکہ یہ ضروری تو نہیں ایک چیز کے ساتھ ہر حالت میں ایک سا ہی معاملہ کیا جائے یعنی اگر وہ ایک حالت میں وزنی ہو تو دوسری حالت میں بھی وزنی ہو یا مکیلی ہو تو دوسری حالت میں بھی مکیلی ہی رہے۔ بلکہ کتب فقہ میں اس بات کی متعدد مقامات پر تصریحات ہیں کہ چیز کی حالت بدلنے سے اسکے معیار میں بھی فرق آجاتا ہے بلکہ یہ بات تو ایک عام آدمی بھی سمجھتا ہے۔ روزمرہ زندگی میں بھی اس کی بکثرت مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ مثلاً کپڑے کی اصل روئی ہوتی ہے اور روئی بازار میں تول کر خرید وفروخت کی جاتی ہے مگر جب یہ کپڑے کی صورت اختیار کرلیتی ہے تو عام طور پر وہ کپڑا گزوں کے حساب سے ملتا ہے اور خاص طور پر وہ کپڑا جو کہ لباس کے لئے استعمال کیا جاتا ہے وہ تو گزوں ہی کے ذریعے بکتا ہے۔ مگر کوئی جاہل آدمی بھی لباس کے لئے خریدے جانے والے کپڑے کے بارے میں اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ کپڑا تول کر دو کہ اس کی اصل روئی ہے جو کہ تول کی خریدی اور بیچی جاتی ہے۔ اسی طرح ہمارے عرف گوشت تول کی تول کر بیع کی جاتی ہے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ اس کی اصل گائے یا بکری یا اونٹ عام طور پر تول نہیں بکتے مگر پھر بھی ہر شخص قصاب کے پاس آکر بلا کسی حیل وحجت تول کے ذریعے سے گوشت خرید لیتا ہے۔ بلکہ خاص کاغذ ہی کو لیجئے جب وہ کتاب یا کاپی کی صورت اختیار کرلیتا ہے بلکہ مجرد کاغذ ہی رہے مثلاً اسٹامپ پیپر یا ڈاک کے لفافے ہونے کی صورت میں تول کے بجائے گن کر ہی بکتا ہے اور کوئی یہ تقاضا نہیں کرتا کہ اسکی اصل کاغذ ہے اس لئے تول کر خریدیں گے۔

کتب فقہیہ کی یہ بحث ہدایہ پڑھنے والے طالب علم سے بھی مخفی نہ ہوگی کہ فقہائے احناف نے ایک سکے کی بیع دو سکوں سے ان کی ثمنیت باطل کرنے کے بعد جائز قرار دی ہے پھر اس پر یہ اعتراض وارد کیا جاتا ہے کہ جب ان کی ثمنیت باطل کردی گئی اب یہ واپس اپنے اصل کی طرف لوٹ گئے ہیں چنانچہ ان کا وزنی ہونا بھی عود کر آئے گا۔ تو اس کا جواب فقہائے کرام نے یہ دیا کہ سکوں کی خرید وفروخت کرنے والوں نے صرف ان کی

ثمنیت کو باطل کیا ہے ان کو عددی ہونے کو باطل نہیں کیا ہے۔ لہذا ان کی بیع کمی زیادتی کے ساتھ جائز ہے۔

ہدایہ شریف میں ہے،

”اذابطلت الثمنية تتعين بالتعيين ولايعودوزنيالبقاء الاصطلاح علی العد“

﴿ہدایہ آخرین صفحہ ۸۱ مطبوعہ: مکتبہ شرکت علمیہ ملتان﴾

ترجمہ: جب ثمنیت باطل ہوجائے تو سکے متعین کرنے سے متعین ہوجائیں گے اور وہ دوبارہ موزونی نہ ہونگے کیونکہ انکے عددی ہونے کی اصطلاح باقی ہے۔

حتی کہ کتب فقہیہ میں خاص چاندی کہ جس کے وزنی ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اگر کسی صورت میں اگر اسکے عددی ہونے پر عرف قائم ہوجائے تو عرف مسلمین کا خیال رکھتے ہوئے جواز ہی کا فتویٰ دیا جائے گا جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ

فلوتعارف الناس بيع الدراهم بالدراهم او استقراضها بالعددكمافى زماننالايكون مخالفاللنص۔

﴿رسائل ابن عابدین جلد۲ صفحہ ۱۱۸ مطبوعہ: سہیل اکیڈمی لاہور﴾

ترجمہ: پس اگر درہموں (چاندی کے سکے) کی درہموں سے بیع یا قرض لینے دینے پر از روئے عدد کے لوگوں کا عرف جاری ہوجائے گا حدیث کے مخالف نہیں ہوگا جیسا کہ ہمارے زمانے میں ہے (حالانکہ چاندی کے وزنی ہونے پر نص ہے)۔

چونکہ نوٹ پر دنیا بھر کے لوگوں کا یہی عرف ہے کہ اس کالین دین شمار کرکے ہی کیا جاتا ہے لہذا مولانا کا اس کو وزنی قرار دینا حقیقت سے بعید ہے۔

کم فہمی

رابعا: مولوی صاحب لکھا کہ” کاغذ جتنے گرام کا ہوتا ہے اس کی قیمت اسی حساب سے مقرر کی جاتی ہے۔

ہم نے آج ۱۹ جنوری ۱۹۸۹ء کو کراچی پیپر مارکیٹ سے آفسٹ پیپر مارکیٹ کے نرخ معلوم کیے جن کی قیمت ان

کے وزن کے اعتبار سے حسب ذیل ہے،

۳۰ ۲۰	۴۵ گرام	۲۵۰ روپیہ رم
۳۴ ۲۷	۵۵ گرام	۴۳۰ روپیہ رم
۲۶ ۲۰	۵۶ گرام	۳۴۵ روپیہ رم
۳۰ ۲۰	۵۶ گرام	۲۹۰ روپیہ رم
۳۶ ۲۳	۵۶ گرام	۳۹۶ روپیہ رم
۳۴ ۲۷	۵۶ گرام	۴۳۵ روپیہ رم

ان تمام صورتوں میں کاغذ کی تعداد ایک رم ہے لیکن قیمتوں میں اختلاف رم کی کمی بیشی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ سائز اور وزن کے اختلاف کے اعتبار سے قیمتوں میں اختلاف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کاغذ کی خرید وفروخت پیمائش اور وزن کے اعتبار سے ہوتی ہے۔'' لگتا ہے کھولوی صاحبنے کاغذ کے ریٹ فون پر معلوم کیے ہیں ورنہ ایسی بات نہ کہتے۔ فقیر نے بذات خود کئی مرتبہ کراچی پیپر مارکیٹ سے پیپر خریدے ہیں مگر پیپر مارکیٹ میں کہیں بھی کسی دکان پر کاغذ تولنے کے لئے کوئی پیمانہ نہ دیکھا۔ چنانچہ اگر کاغذ وزن کے حساب سے بکتا تو کہیں تو پیمانہ نظر آ تا۔ ہاں البتہ کاغذوں کی قیمت اسی انداز میں بتائی جاتی ہے جیسا کہ مولانا نے لکھا ہے۔ مگر یہ صرف کاغذ کی کوالٹی بیان کرنے کا ایک انداز ہے جس طرح کہ عام طور پر جانوروں کی منڈی میں جانور فروخت کرتے وقت جانور کا مالک اپنے جانور کی قیمت بتاتے وقت اس جانور کا وزن زیادہ بتا تا ہے یا گاہک قیمت کم کرواتے وقت اس کا وزن کم بتا تا ہے تو بائع اور مشتری (بیچنے اور خریدنے والے) کے ان کلمات سے وہ جانور موزونی نہیں ہو جاتا بلکہ عددی ہی رہتا ہے بالکل اسی طرح کاغذ کی خرید وفروخت کے وقت اگر اس کی صفت جاننے کے لئے ایک شیٹ کا وزن بتانے سے کاغذ موزونی نہیں بن جاتا۔ پیپر مارکیٹ میں عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ جب گاہک کسی کوالٹی کا پیپر دیکھ کر اسے پسند کر لیتا ہے تو اس کاغذ کے جتنے رم خریدنے ہوتے ہیں لے لیتا ہے اور کوئی وزن نہیں کیا جاتا۔ ان رموں (Rims) میں کاغذ کی مخصوص تعداد ہوتی ہے اگر بالاتفاق کسی رم میں کاغذ کم ہوں تو دکاندار اس تعداد کو اسی قسم کے کاغذ کی دوسری شیٹ دیکر پورا کر دیتا ہے۔ بقول مولانا کے اگر کاغذ واقعی وزنی ہوتا تو دکاندار شیٹ (Sheet) دینے کے بجائے اس رم کا وزن کرتا اور جتنا وزن کم ہوتا دیگر کاغذ ڈال کر وہ وزن

پورا کر دیتا۔مگر ایسا نہیں ہوتا تو ظاہر ہوا کہ مولوی صاحب کا کاغذ کو وزنی سمجھنا محض غلطی ہے۔

فقیر نے یہ تمام گفتگو مولوی صاحب کے طرز استدلال کے اعتبار سے کی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے عموما کاغذ گن کر ہی بکتا ہے مگر بعض کاغذ اس قسم کا بھی ہوتا ہے جو تُل کر بکتا ہے۔مگر یہ بات مولوی صاحب کو کسی طرح فائدہ نہ دیگی۔ کیونکہ بطور خاص نوٹ میں تو گنے جانے ہی کا عرف ہے۔اور عرف کی اہمیت ہم گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔

مغالطہ آفرینی

خامسا: مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ "اس سے معلوم ہوا کہ کاغذ کی خرید وفروخت پیمائش اور وزن کے اعتبار سے ہوتی ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک انہی چیزوں میں سود کا اعتبار کیا جاتا ہے جن کی خرید وفروخت پیمائش اور وزن کے اعتبار سے ہوتی ہے اس لئے یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ کاغذ اموال ربویہ میں سے نہیں ہے بلکہ کاغذ حقیقت میں اموال ربویہ میں سے ہی ہے۔اور کاغذ کو اموال ربویہ میں سے شمار نہ کرنا محض لاعلمی ہے۔"

مولوی صاحب نے اس عبارت میں کاغذ کو اموال ربویہ میں داخل کرنے کے لئے کاغذ کے پیمائش سے بکنے کا بھی سہارا لیا ہے۔مولانا کی یہ بات تو درست تسلیم کی جاسکتی ہے کہ کاغذ پیمائش سے بھی بکتا ہے اور پیمائش کی ایک صرف ایک قسم سود کی علت ہے وہ کیل ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں

"قال الربو محرم فی کل مکیل اوموزون اذابیع بجنسه متفاضلافالعلة عندناالکیل مع الجنس اوالوزن مع الجنس۔"

﴿ہدایہ آخرین صفحہ ۷۷ مکتبہ:شرکت علمیہ ملتان﴾

ترجمہ: سود حرام ہے ہر مکیلی اور موزونی چیز میں جب اسے اپنی جنس کے ساتھ کمی زیادتی کے ساتھ فروخت کیا جائے پس سود کی علت ہمارے نزدیک کیل مع جنس ہے یا وزن مع جنس ہے۔

مگر ہر قسم کی پیمائش تو سود کی علت نہیں ہے۔اسی لیے فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالٰی نے اپنی کتب واضح لفظوں میں لکھا کہ گزوں کے ذریعے سے ناپی جانے والی اشیاء اموال ربویہ میں سے نہیں ہے اور ایک ہی جنس ہونے کی صورت میں ان کی نقد بیع کمی زیادتی کے ساتھ جائز ہے۔لہذا مولوی صاحب کا کاغذ کو پیمائش کی وجہ سے اموال ربویہ میں سے

شمار کرنا کھلی ہوئی غلطی ہے۔

تضاد بیانی

سادسا: مزید برآں مولانا نے ایک ہی ملک کے نوٹوں کی آپس میں ادھار بیع کے ناجائز ہونے پر دلائل قائم کرتے ہوئے اسی صفحہ پر لکھا کہ،

> ''اور جب یہ بیع ادھار کی جائے گی تو بیع کے وقت دوسرے عوض پر قبضہ نہیں ہوگا اور سود کو حلال کرنے کے لئے اس بیع میں ادھار کا ہونا ضروری ہے پس مجوزین ربوا کا مقصود حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ جب ایک نوٹ کی دو نوٹوں کے عوض ادھار بیع ہوگی تو دوسری جانب سے نوٹ متعین نہ ہونگے اور اس صورت میں ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع ناجائز اور حرام ہے۔''

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ جب ایک ہی ملک کی کرنسی آپس میں ادھار بیع کی جائے تو وہ ناجائز ہے جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔ مگر حیرت ہے کہ مولوی صاحبنے اپنی اسی کتاب میں گزشتہ صفحات میں دو مقامات پر ایک ہی ملک کی کرنسی کی ادھار بیع کی جواز کی تصریح کی ہے۔ اور واضح لفظوں میں لکھا کہ اگر جانبین میں سے ایک طرف قبضہ ہو جائے تو جائز ہے۔ مگر اب اپنی بات ثابت کرنے کے لئے خود ہی اس کے خلاف لکھ دیا مولوی صاحب لکھتے ہیں،

> ''اسی طرح ایک ہی ملک کے کرنسی نوٹوں کا تبادلہ برابر سرابر کر کے بالاتفاق جائز ہے، بشرطیکہ مجلس عقد میں فریقین میں سے کوئی ایک بدلین میں سے ایک پر قبضہ کر لے۔''

اسی طرح دوسرے پر لکھتے ہیں،

> ''پھر ایک ہی ملک کے کرنسی نوٹوں کے درمیان تبادلے کے وقت اگرچہ کمی زیادتی تو جائز نہیں ،لیکن یہ بیع صرف بھی نہیں ہے کیونکہ کرنسی نوٹ خلقۃ ثمن نہیں ہیں بلکہ یہ ثمن عرفی یا اصطلاحی ہیں اور بیع صرف کے احکام صرف خلقی اثمان (سونے چاندی) میں جاری ہوتے ہیں۔ اس لئے مجلس عقد میں دونوں طرف سے قبضہ شرط نہیں''

مذکورہ بالا دونوں عبارات کا مفاد یہ ہے کہ اگر ایک ہی ملک کی کرنسی کی بیع میں مجلس عقد میں ایک جانب سے قبضہ

ہو جائے خواہ دوسری جانب کے نوٹ بعد میں بھی ادا کیے جائیں تو جائز ہے۔ ہم نے ان دونوں عبارات کی غلطیاں مولوی تقی عثمانی کی غلطیوں کی ضمن بیان کر دی ہے۔ اور صفحہ نمبر ۳۴ اور ۳۵ پر صاحب فتح القدیر کے حوالے سے لکھی گئی عبارت مولوی صاحب کی ان دونوں عبارات کی غلطی پر واضح تصریح ہے۔

مولوی صاحب کی تنگ نظری

سابعا: مولوی صاحب نے لکھا ''مجوزین ربوا کا مقصود حاصل نہ ہوگا''۔ مولوی صاحب کے یہ الفاظ ان کی تنگ نظری پر دلیل ہیں۔ یعنی مولوی صاحب اپنے خیالات میں اتنے تنگ نظر واقع ہوئے ہیں کہ اگر کوئی ان کے برعکس مؤقف رکھے تو یہ ایک عالم کے مرتبہ سے تنزلی کر کے اسے انتہائی ناشائستہ اور تہذیب سے گرے ہوئے الفاظ بھی کہنے میں باک محسوس نہیں کرتے۔ مولوی صاحب نے یہ جانتے بوجھتے کہ نوٹ کو امام اہل سنت رحمہ اللہ تعالیٰ نے عددی اور اموال غیر ربویہ میں شمار فرمایا ہے، اسے محض لاعلمی قرار دیا حتی کہ مجوزین ربوا (سود کو حلال کرنے والے) جیسے الفاظ بھی لکھتے ہوئے حیا نہ کی۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو ان جیسے غیر سنجیدہ لوگوں کے فریب سے بچائے۔ امین

واللہ تعالی اعلم بالصواب

کتبہ: محمد ابوبکر صدیق عطاری

۱۸ ستمبر ۲۰۰۲ء